

# روحانیت سے سیاست اور شعر و ادب تک

انٹرویو: سید نسیم تقی جعفری

عکاسی: بمیر اشفاق / محمد آصف ملک

**سوال:** سر کی بیری تھری اور روحانی شخصیت بنے یا ہونے کے لئے دنیا کے مسائل اور غیر معمولی حالات پر فوکلور، سٹاشی آسانیاں، سالن جنس اور مراسم سے تعلقات ہونا ضروری ہیں؟

**جواب:** پروفیسر احمد رفیق اختر: بیری نگاہ میں تو بالکل نہیں ضروری۔ بلکہ جو لوگ میرے پاس آتے ہیں، میرا خیال ہے، بہت سارے گواہ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ہمارے یہاں کسی قسم کا کوئی خصوصی پروٹوکول نہیں پایا جاتا۔ بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ لٹریچر اور طبعی وقار کی شخصیات کا میں زیادہ احترام کرتا ہوں۔ تعلیمی شخصیتیں ہوں۔ وقار کی شخصیتیں ہوں، ان کا مگر سرکاری وقار نہیں۔ اور میرا خیال یہ ہے کہ میرے پاس عمر کے والے لوگ ایک ہی طرح سے آتے ہیں۔ ان کا کوئی اس قسم کا تصور نہیں ہے نہ ان کو کوئی خصوصی پروٹوکول دیا جاتا ہے۔ مگر آپ دیکھیں گے کہ بعض جو بڑے لوگ ہیں۔ بڑے لوگ کیا، ان کو بڑا کہنا میں لفظ بڑا انہیں استعمال کروں گا۔ ان کے اپنے کچھ مسائل ہوتے ہیں۔ جیسے وہ عوام سے شرمیلے پن محسوس کرتے ہیں۔ جیسے وہ اپنی بات ایک مجمع میں نہیں کرنا چاہتے ہیں، تو ان کو علیحدہ نام دینے کا مطلب یہ نہیں کہ ان کی عزت کی جارہی ہے۔ بلکہ بعض اوقات مجھے غریب آدمی ایک کمرے میں لے جاتے ہیں کہ میرا مسئلہ ہے مجھے آپ یہ بتادیں، تو مجھے اس وقت جانا پڑتا ہے۔ جو لوگ میرے ساتھ نفا اور تکیہ چاہتے ہیں، چاہے معاملہ وہی نکلے، جو ساری دنیا کا ہے تو ان کو پھر ہم لوگ پرانیو کیسی دیتے ہیں۔ زیادہ تر وہ لوگ اشرافیہ میں پائے جاتے ہیں۔ اشرافیہ کو پرانیو کیسی دینے کا قطعاً مطلب دوسرا نہیں ہوتا ہے۔ ایک بات خوب بہر علی نے اپنی کتاب میں ذکر فرمائی ہے کہ شاید اشرافیہ کا کسی شیخ کی طرف متوجہ ہونا اس کے اس شیخ کی نفاذی کرنا ہے جس پر خدا نے اسے متمکن کیا ہوتا ہے۔

**سوال:** کیا حالت روحانی بزرگی ہو فخر کے رستے کی رکاوٹ ہے یا دولت کی فروغی سے فخر کی دنیا ہو کر جاتی ہے اور اس کے حسن اور جاہلیت میں اضافہ ہو جاتا ہے؟

پروفیسر احمد رفیق اختر: میرا خیال ہے کہ اس دفعہ جہاد پر جو میں نے لیکچر دیا تھا، اس میں نے واضح کیا کہ جو لوگ طبعی، ادبی اور عباداتی رستے سے گزرتے ہیں، ان کی مشقتیں، ان کے مسائل بے شمار ہوتے ہیں اور قرآن حکیم میں جب وہ ولیاء کے درجے تک پہنچتے ہیں، تو خدا کہتا ہے کہ میرے دونوں پر ہم کسی قسم کا خوف و حزن نہیں چھوڑتے ہیں۔ یہ رستہ طویل ہے۔ مشکل اور جنون پھل کا ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ بڑے ہی کم لوگ اس رستے کو کو الیفائی کرتے ہیں۔ طبعی گریڈ مختلف ہو جاتے ہیں۔ نفسیتوں کے گریڈ مختلف ہو جاتے ہیں۔ مگر یہ یاد رکھیے گا، جو ابھی میں نے آپ سے کہا ہے۔ اس کے برعکس ایک صاحب مالدار شخص ہے۔ جس کے پاس بہت مال ہے اور وہ خدا کے رستے پر خرچ کر دیتا ہے تو اس کے بارے میں اللہ فرماتا ہے (قرآنی آیت)۔۔۔ وہ لوگ جو اللہ کے رستے میں مال خرچتے ہیں۔ رات میں یا دن میں، چھپا کے یا بتا کے، اس کا اظہار کر کے (قرآنی آیت)۔۔۔ ان کو اللہ کی طرف سے ایک اجر دیا جائے گا۔ (قرآنی آیت)۔۔۔ تو آپ دیکھیے کہ ولیاء اللہ کا اور صاحب ثروت لوگوں کا خدا کے رستے میں خرچنے کا اجر برابر ہے۔ ایک ولی جو فقر و فاقہ سے جدوجہد کر رہا ہے تو وہ شیخ جس کو پہنچتا ہے وہ ہے کہ اسے خوف و حزن سے نجات مل جاتی ہے۔ دوسری طرف ایک بندہ یہ بالکل نہیں کر رہا ہے۔ وہ صرف مال کما رہا ہے اور مال خرچ کر رہا ہے لوگوں پر اور بتا کر شہرت کے لیے کر رہا ہے۔ شوٹا کر رہا ہے اس کو بھی اللہ ہی صلہ دے رہا ہے (قرآنی آیت)۔۔۔

**سوال:** کیا فخرشمن اور کوڑی شمن کے لئے اپنی نفس کی خواہشات کے خلاف عمومی بندوں سے بے نیاز معنای حقیقی بزرگی ہے اور نہایت اعلیٰ کی حالت میں زندگی گزارنا ہی روحانیت اور فخر کی دنیا کی کامیابی کی دلیل ہے؟

پروفیسر احمد رفیق اختر: دیکھیے! حضور پاک ﷺ نے ایک شخص کو نیا جوتا پہنے دیکھا، تو اسے دما دی۔ پہنو اور بڑاؤ۔ کسی کو اچھا لباس پہنے دیکھا، تو اس کو دما دی۔ فرمایا، اگر تمہارے پاس مال ہے، تو اس کا اظہار تمہارے جسم و جان پر ہونا چاہیے۔ یہ فقر و فاقہ کی یہ روایات جو ہمارے پاس آئی ہیں، میرا اپنا خیال ہے کہ خود ساختہ ہیں۔ دیکھیں! اصحاب صفہ تھے۔ اصحاب صفہ کے پاس تو اسباب نہیں تھے کہ وہ اچھے کپڑے پہنتے۔ اچھے جوتے پہنتے۔ تو ان کا احترام بہت ہے کہ فقر و تنگی کے رستے سے خدا تک پہنچے۔ دوسری طرف عثمان غنی تھے۔ ایک طرف ابو ذر غفاری تھے، اہر وہ تھے۔ تو اسلام میں دونوں رستوں کی کشادگی بتائی گئی ہے۔ ہم دونوں رستوں میں ایک ہی چیز اہم سمجھی جاتی ہے اور وہ اخلاص ہے۔ اس لحاظ سے اسلام اثنا متوازن مذہب ہے۔

باتی میں سمجھتا ہوں کہ جس لحاظ سے لوگوں نے جدوجہد کے یہ مختلف طریقے نکالے ہیں، یہ ان کے اپنے مسائل ہیں، اللہ کے نہیں ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے نہیں ہیں۔ قرآن حکیم میں اللہ میاں کہتا ہے کہ یہ جو رہائیت کے طریقے تھے۔ بھوکے مرنا اور چلے کھینچنا، ان میں کچھ لوگ بھاگے ہیں۔ کچھ نہیں بھاگ سکے۔ ہم نے انہیں ایسا کرنے کو نہیں کہا تھا اور اچھا کھانا اور پھر یہ تعریف کرنا؟ ایک دفعہ جب اچھی چیز سامنے آئی، تو اصحاب چپ رہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم سے تو جنات بہتر ہیں کہ جنہوں نے کہا تھا۔۔۔۔۔۔ تو کیا آپ کا خیال یہ ہے کہ اچھے کھانے میں حسن نہیں ہوتا؟ ہم نے حسن کو محدود بڑا کر دیا ہے۔ کسی دستِ مشاق کی بنی ہوئی کوئی اچھی ڈش میں حسن نہیں ہے؟ بات یہ ہے کہ مر جن اور تھائی میں کیا فرق ہے؟ کلچر کا فرق ہے۔ کلچر اور علم کا فرق ہے۔ اسی طرح ایک اچھی چیز کے لیے آپ بازار میں ایک کیک ڈھونڈنے جاتے ہیں۔ وہ 35 روپے کا

مل جائے گا۔ یہ اس کی اصل قیمت ہے۔ مگر اسی کی پیشکش ایک اچھی بیکری سے آپ دیکھتے ہوں، تو وہ 100 یا 125 کا ہے۔ اچھی پیشکش کو آپ کتنی خوشی سے 60، 70 روپے اضافی دیتے ہیں۔ سو کسی بھی چیز میں اگر بہتری ہو، صلاحیت ہو، خوش اسلوبیت ہو، حسن ہو، اس کو براہنہ لازم ہے یہ ملحوظات ہے کہ آپ اچھے کھانے میں سے دو لقمے چھوڑ دیں، تو آپ صوفی ہو گئے۔

**سوال:** جب سلطان، درویش اور فقیر جیسے لوگ اور سوریہ میں بھی عیار اور کارلوگوں سے بھر جائیں، تو پھر ایک عام آدمی کا کیا بنے گا؟ وہ کیوں کرننگی گز کرے گا اور اس کی خطری  
رضائی کون کریگا؟

پروفیسر احمد رفیق اختر: بات تو آپ نے درست کہی۔ مگر بات دونوں طرف ایک ہی ہے۔ میں نے کشف الکجوب کے ابتدائی صفحے پڑھے، تو آپ نے بری ایک خوبصورت بات کی۔ کہا کہ ابوسید ابوالخیر ہم تو جب تعلیم اور درویشی اہمال کے لیے گزرتے، تو ہم نے بے شمار مرشدوں سے ملاقات کی اور ہم نے سبق سیکھے۔ ہم نے خراسان کی پہاڑیوں میں تین سو پندرہ ہولیا، اللہ دیکھے۔ مگر ایک وقت آئے گا کہ طلب تو ہوگی، تجھے نہ ہو کوئی نہیں ملے گا۔ تو ڈھونڈنے چلے گا، تجھے کچھ نظر نہیں آئے گا۔ اتنی بات یاد رکھنا کہ جس اللہ نے پہلے کو عطا و بخشش کی ہے تمہیں بھی کرے گا اور اس کو کوئی واسطے نہیں چاہئیں۔

**سوال:** اب میں ذرا سا پٹرن صحیح کرنا ہوں اور ایک سیاسی ماسوئل ہے کہ ہمیں پھر اعظم کے بعد آج تک مجلس و با شعور قیادت نصیب نہیں ہوئی۔ ہم پچھن سال سے اپنے ملک میں غربت تبدیلی اور انقلاب کا خواب دیکھ رہے ہیں اور مسلسل دھوکے کھا رہے ہیں۔ پروفیسر صاحب جس باغ کا مالک خود اپنے باغ کو باہر یاد کرنے کے درپے ہو، تو پھر اس باغ کا انجام کیا ہو سکتا ہے؟

پروفیسر احمد رفیق اختر: شاہ صاحب ایک بنیادی فرق آپ کو بتاؤں کہ قادیان اعظم پڑھا لکھا بندہ تھا۔ اس کے پاس پڑھے لکھے لوگ نہیں آئے۔ جو بھی اس کا پروفیشن تھا۔ جس مصلح کا بیڑا اس نے اٹھایا اور جو طریقہ اس نے اختیار کیا، اس کو اپنے مخالفین کے آلات کا پتہ اور اپنے آلات کا پتہ تھا اور اپنی اپروچ کا پتہ تھا اور اپنی اپروچ کا پتہ تھا۔ اس پر مستزاد ان کو اپنے اور ان کے مقاصد کا پتہ تھا۔ اس کو میں سیاسی راہنما نہیں کہہ سکتا۔ وہ مدبر تھا، دانا تھا اور اس کے اس اخلاص کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے جو اسے کریڈٹ بخشا، وہ آپ کے سامنے ہے۔ پاکستان میں بہت سے لوگ یہ کہتے ہیں کہ پاکستان کی تقسیم غلط تھی۔ میرا کہنا یہ ہے کہ اگر ایک دن پاکستان بنتا اور دوسرے دن ٹوٹ جاتا، تو بھی پاکستان کی تخلیق صحیح تھی۔ میرا یقین ہے کہ پاکستان کو غریب آدمی نے بگاڑا ہے نہ اجاڑا ہے۔ پاکستان کو نیم پڑھ لوگوں نے جو اپنی اپنی کمتریوں میں الجھے ہوئے تھے۔ جنہوں نے ہر چیز کو اپنے ذاتی مقاصد کے لیے استعمال کیا۔ ان میں سے کوئی دانشور نہیں تھا۔ کوئی عالم نہیں تھا۔ بیٹک انہوں نے بہت سی کتابیں لکھی ہوئی ہیں۔ مگر ان کے دل میں کوئی ایسی آرزو نہیں تھی کہ خلق خدا کی خدمت کرتے۔ ملک کو بنا دے۔ یہ ایک وجاہت کے پٹرن میں آئے اور چلے گئے۔ اب بھی بہت کچھ ہو رہا ہے۔ مگر ملک سخت جان ہے اور لوگ امید منتظر نہیں کر رہے ہیں۔ یقین ہے انشاء اللہ کہ ان کو صلہ کبھی نہ کبھی ضرور ملے گا۔

”پاکستان کو غریب آدمی نے بگاڑا ہے نہ اجاڑا ہے۔ پاکستان کو نیم پڑھ لوگوں نے جو اپنی اپنی کمتریوں میں الجھے ہوئے تھے۔ جنہوں نے ہر چیز کو اپنے ذاتی مقاصد کے لیے استعمال کیا۔ ان میں سے کوئی دانشور نہیں تھا۔ کوئی عالم نہیں تھا۔ بیٹک انہوں نے بہت سی کتابیں لکھی ہوئی ہیں۔ مگر ان کے دل میں کوئی ایسی آرزو نہیں تھی کہ خلق خدا کی خدمت کرتے۔“

**سوال:** پھر ایک ذاتی ماسوئل ہو رہا ہے کہ کئی وقت ڈیکس بھی کرتے ہیں کہ آپ اکثر وصیات اپنے لیکچرز اور محفلوں کے دوران نیا دور دانشوروں، ماسوئلوں، ادیبوں، صوفیوں اور علماء پر کری تعہد کرتے ہیں اور ہم نے آپ کو کسی شخصیت کی تعریف کرنے یا سراہنے سے گم گم ہی دکھا ہے۔ کیا آپ سب کی نفی کر کے اپنی شخصیت کو نمایاں کرنے کی کوشش تو نہیں کرتے؟

پروفیسر احمد رفیق اختر: ماشاء اللہ اچھا سوال ہے۔ مگر میری بھی زندگی کا ایک اصول ہے کہ میں کوئی شخص ذاتی تعہد کبھی بھی نہیں کرتا۔ مگر میں نے بڑی مشقت سے کچھ سبق سیکھے ہیں۔ علم میں کسی کو رعایت دینے کا مجھے کبھی خیال ہی نہیں آیا۔ کیونکہ علمی رعایتوں کی وجہ سے ہی ہم انتہائی مذہب کے کنفیوز کا سہٹ تک پہنچ چکے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر مجھے یہ کہیں کہ فلاں شخص صاحب العظم ہے فلاں علامہ دہر ہے تو مجھے ان پر بڑی شدت سے اعتراض ہوتا ہے۔ میں اصرار دیکھتا ہوں کہ وائس جیسا بندہ جس نے ڈائل سیکس دریافت کیا ہے اور دوسرے جو ذاتی انکشافات کے حامل لوگ ہیں۔ اگر ان کے نام کے ساتھ آپ کبھی القابات نہیں دیکھتے ہیں۔ نہیں بس ایک اور دانشمند شخص سمجھا جاتا ہے۔ ان کو میں سوچتا ہوں، آخر کیا مرض پڑا ہے آپ دیکھتے ہیں کہ میں نے اپنی ذات کے لیے بھی ایک پوری کتاب دیکھی ہے۔ بڑے بزرگ لوگ مستند سمجھے جاتے ہیں۔ بہت سارے لوگوں کے نزدیک، جن میں ان کا ایک رسالہ دیکھتا ہوں، تو نیچے عجب قسم کے لفظ لکھے ملتے ہیں اور ساتھ ہی ان کا سلسلہ ولادت لکھا جاتا ہے۔ چشتیہ، قادریہ نقشبندیہ، اویسیہ، آخر اس کی کیا ضرورت ہے؟ سوائے اس کے کہ وہ آپ کو قائل کرنے کی کوشش کر رہا ہے کہ میں بہت بڑا ہوں اور وہ ان سارے سلسلوں کی میراث لیے بیٹھا ہے۔ اب ہمارے پاس رستہ ہی کوئی نہیں۔ کسی طریقے سے بھی تم بیچ کے نہیں جا سکتے۔ اگر تم اویسیہ ہو، تو میں اویسیہ ہوں۔ چشتیہ مانو، تو چشتیہ ہوں۔ قادریہ مانو، تو قادریہ ہوں۔ اس قسم کی غیر معقول جھڑپیں مجھے پسند نہیں آتیں۔ ان میں میں کوئی رعایت نہیں کرتا۔ اپنے ساتھ نہ کسی کے ساتھ۔

باتی میرا خیال یہ ہے کہ ذاتی ملاقاتوں میں کوئی شخص مجھے یہ اثر نہیں دے سکتا کہ میں نے آج تک انفرادی ملاقاتوں میں کبھی بھی کسی کی ذاتی طور پر توہین کی ہو۔ مگر جہاں آپ لوگوں کو بدلیات پاس کرنی ہیں، تو انہی عقیدوں کے سہارے ہم نے توڑی ہیں۔ تاکہ لوگ علم کو تلاش کریں۔ اسی اندھے پن میں بصارت کی آگ کو کوشش کرنا پڑتی ہے۔ کچھ لوگ اس وجہ سے ناراض ہوتے ہیں۔ میں نے بہت سارے لوگوں کی تعریف بھی کی ہے اور سب سے زیادہ تعریف میں نے اللہ کے رسول ﷺ اور اصحاب رسول کی کی ہے۔ مجھے یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ آج تک بڑے بڑے شیخ کسی صحابی سے کیسے بڑھ سکتا ہے جو اپنی ترجیح کے مکمل احساس میں ہے اور یہ صاحب اپنی ذاتی ترجیح استعمال کر رہے ہیں۔ بڑے بڑے دانشور اور علماء دنیا میں گزر رہے ہیں۔ بڑے بڑے عالمانہ عقائد گزر رہے ہیں۔ لوگ ان کو تسلیم کرتے ہیں۔ صدیاں ان کے نام سے منسوب ہیں۔ مگر جب میں یہ جان لوں کہ اس کی بنیادی ترجیح ہی اس کی سمجھ میں نہیں آتی، تو میں اسے عالم کیسے سمجھ لوں؟ کیسے ہم جانیں گے؟ ہو سکتا ہے اس بات کو غلط کرنے کے لیے آپ کو میری ساری پروچ ہی غلط کرنی پڑے گی۔ اگر میری ساری پروچ غلط ہے پھر وہ صحیح ہیں۔ اور اگر میری پروچ صحیح ہے تو اس کا تو وقت، زمانہ اور مقام ہی فیصلہ کرے گا۔ اگر میری پروچ صحیح ہے تو پھر جو میرے امتزاجات ہیں ان کی طرف سے ان پر طبعی جواب آنا چاہیے۔ اس میں ذاتی توہین تو مراد ہی نہیں ہے۔ اس میں بعض اوقات لفظ میرے ذہن میں چھب جاتے ہیں۔ جب میں یہ دیکھتا ہوں کہ کسی نے کسی کے لیے مبارک آئینہ لفظ لکھا ہے، تو مجھے یہ لفظ بہت چھبتا ہے؟ میں سوچتا ہوں، یہ کیوں ایسے لفظ استعمال کرتے ہیں؟ بہت ساری شخصیات کے ساتھ جو لفظ استعمال ہو رہے ہیں، غلط ہیں۔ ویسے تو میری گلی کا سولوی بھی زبدۃ العلماء لکھتا ہے۔ اپنے ساتھ رئیس اطمینیں لکھتا ہے۔ کیا اس کو درست کہا جا سکتا ہے؟ وہ ایک ماہ آدی کی طرح کیوں نہیں رہتے؟

”جب تک کوئی تصور آپ کا آفاقی نہ بن جائے۔ جب تک کوئی خیال آپ کا یعنی ایک یعنی پروچ نہ بن جائے، اس وقت تک آپ کی شاعری بڑے نچلے گریڈ میں رہے گی۔ مگر اس نچلے گریڈ کی شاعری میں بھی وہ شعر بادی ہو جائے گا، جو عمومی کیفیات پر لکھا ہوا ہے۔“

تو کوشش تو یہی کرنی چاہیے کہ ہم دوسرے لوگوں کی طرح ہوں۔ اللہ کا شکر ہے میرے احباب میرا مزاج بھی سمجھتے ہیں اور کسی قسم کی جائز تعریف سے بھی گریز کرتے ہیں۔ میرے تو شاگرد ایسے ہیں کہ منہ پھاڑ کر مجھ پر امتزاج کر رہے ہوتے ہیں۔ آپ یقین چاہیے کہ سادہ سے سادہ میرا دوت جو ہے اگر اسے مجھ میں کوئی بات اچھی نہیں لگتی، تو وہ اس پر ایک نہیں سراہتا امتزاج جاری کر دے گا کہ مجھے آپ کی یہ بات اچھی نہیں لگی۔ آپ یہ کیوں کرتے ہیں؟ یہ ہم میں بے تکلفی موجود ہے اس قسم کا کوئی پر اہم ہمارے لوگوں کو نہیں ہے۔

سوال: سراسر آپ بنیادی طور پر لٹریچر کے آدی ہیں۔ ایک طویل مدت تک آپ نے لٹریچر پڑھ لیا ہے۔ جو عیناً لٹریچر کے بارے میں آپ کی پروچ بھی بڑی مفرد ہے۔ اس سے یہ پوچھنا چاہوں گا کہ شاعری کس اعتبار سے کی ملک، تو ہو اور غیر پر غمت، عزت مرتب کر سکتی ہے؟ اور اگر واقعی میں نہیں، تو پھر شاعری کیوں کہ سائبروں اور فنانون کی جہی کا سبب بنتی ہے؟ کیا فنون کا اپنی republic (ریپبلک) سے شاعروں کو نکال دینے کا فیصلہ درست تھا؟

پروفیسر احمد رفیق اختر: شاہ صاحب حیران کن بات آپ کو بتاؤں کہ انگریزی میں جان ملٹن ایک بڑا شاعر ہے اور بڑی عجیب بات جو پہلے کسی کے ذہن میں نہ آئی ہو کہ جان ملٹن نے جو اپنا شاہکار لکھا، Paradise Lost (جنت گمشدہ) اس کا موضوع مذہب تھا۔ گوکہ وہ بہت بڑا فلاسفر، دانشور اور شاعر تھا، مگر جو اس کی اعلیٰ درجے کی کتاب ہے وہ مذہب کے موضوع پر ہے۔ دانتے اپنے وقت کا بہت بڑا شاعر ہے مگر اس کی شہرت اس کی مذہبی موضوعات کی کتاب کی وجہ سے ہے۔ ہمارے ہاں اقبال بہت بڑا شاعر ہے۔ ان کا بڑا شاعر کہ بہت سارے شاعر اس کے سائے تلے پس گئے ہیں۔ مگر اس کا موضوع بھی مذہب ہے۔ تو ہونا یہ ہے کہ شاعری اپنے موضوعات کے لحاظ سے ترقی پاتی ہے۔ جہاں حضرت داغ نے اپنے دیوان کی اوصاف کی بات کی، مجھے بھی وہ شعر بڑا پسند ہے کہ

تیرے کوچے ہر پہا نے مجھے دن سے رات کرنا

کبھی اس سے بات کرنا کبھی اس سے بات کرنا

مگر یہ موضوعات یعنی آپ کو تسکین دیتے ہیں۔ یہ آپ کے اندر کوئی مستقل اثر نہیں چھوڑتے۔ تو شاعری بھی جب کسی بڑے مفہم سے آگاہ ہوگی، تو وہ نقای ہوگی، کم عمر ص زندہ رہے گی۔ دور کیوں جاتے ہیں۔ آپ فیض کو دیکھئے۔ کچھ دن ہی ہوئے ہیں اس کو تو بھی کوئی انعام مل رہا ہے جس کو روسی انعام دے رہے ہیں۔ دنیا اس کو بڑا شاعر سمجھ رہی ہے اس کی اس شاعری کی وجہ سے، جو اس نے جدید موضوع پر کی۔ جو اس نے سرمایہ داری کے خلاف لکھی یا وہ نظمیں، جو اس نے اپنے خیال میں اس نے سوشلسٹ کانسپٹ پر لکھیں۔ اب وہ نظمیں پڑھنے والے کوئی نہیں رہ گئے۔ وہ ایک لوکل موضوع ہے، جو گزر جاتا ہے۔ شاعری اسی وقت بلند ہوتی ہے، جب وہ اپنے موضوع کو بلند کرتی ہے۔ غالب کو دیکھئے کہ آج بھی وہ مابعد الطبیعیات کا شاعر ہے۔ وہ ذات سے نکل کر بات کرنا ہے۔ اپنے خیالات کو بدہمت میں لے جاتا ہے۔ یعنی اصول تمام بڑے کلام، بڑی شاعری، بڑے ادب اک یہ ہے جو پرسئل نہ ہو۔ بلکہ پرسئل کیفیت سے گزرتا ہوا عالم گیر ہو جائے۔ اب اگر اس قسم کی شاعری موجود نہیں ہے جسے ہم دیکھتے ہیں۔ میں نے پاکستان کی شاعری کا بہت برا حال دیکھا ہے۔ لاہور کو میں نے اسی میں چھوڑا، اسی ستر اور اسی کے درمیان ہمارے پاس وجود ہوتے کا تصور آیا۔ تو میں دیکھ رہا تھا کہ تمام شاعری وجود ہوتی ہوگی۔

یہ جو جلدی جلدی نکلنے اور اگلنے کا عمل ہے، یہ کہیں بھی پائیداری کا سہیل نہیں بنتا۔ جب تک کوئی تصور آپ کا آفاقی نہ بن جائے۔ جب تک کوئی خیال آپ کا یعنی ایک یعنی پروچ نہ بن جائے۔ اس وقت تک آپ کی شاعری بڑے نچلے گریڈ میں رہے گی۔ مگر اس نچلے گریڈ کی شاعری میں بھی وہ شعر بادی ہو جائے گا، جو عمومی کیفیات پر لکھا ہوا ہے۔ جو عمومی ہے جو لوگوں کے کسی بڑے حساس اور سادہ جذبے کو راہ دے رہا ہے۔ وہ پھر بھی باقی رہ جاتا ہے اور ایسے شاعر تو کہیں، ما کہیں موجود ہیں۔ مگر بڑا شاعر بھی پیدا نہیں ہوا۔ اقبال کی بڑی زیادتی ہے۔

اقبال نے بڑا اجر کیا۔ اس کی ایک بڑی شاعری نے لمبی طویل لاکن چھوڑ دی چھوٹے شاعروں کی۔ باقی دہائی افلاطون کی وہ بات، تو افلاطون تھوڑا سا اس میں اس کے گریڈ میں تکبر استعمال کر گیا۔ چونکہ فلاسفر کو جاننا۔۔۔۔۔ اور بہت بڑا۔۔۔۔۔ ہے اور شاعر چونکہ معاشرے سے بھی گریز کر رہا ہے۔ فلسفہ حیات سے بھی گریز کر رہا ہے اس وقت بھی شاعر آج ہی کے دور کی طرح ہوتے ہوں گے۔ مضموع کو اٹھا آسان تک لارہے ہیں اور تانیف، ردیف، ڈھونڈ رہے ہیں، تو غالباً ان کی عملی مبالغی کی وجہ سے افلاطون نے یہ کہا ہوگا۔

**سوال:** سراسر آج ہم جس دور سے گزر رہے ہیں۔ یہ بادی پرستیت کا دور ہے ہر چیزوں کا معیار اپنے نفع و نقصان سے دیکھتے ہیں کہ جس چیز کا ہمیں ملنا فائدہ ہے وہ ہمارے لئے اہم ہے اور جس سے کوئی مایہ نفع نہ حاصل نہیں کر سکتے، اس کی ہیبت بہت کم ہے تو آپ اس بارے میں پرستی کے دور میں شعروادب کی کیا اہمیت اور نفاذ دینے کی فرمائیں؟

پروفیسر احمد رفیق اختر: شاہ صاحب معاشرہ ہمیشہ کسی نہ کسی عبوری دور سے گزرتا ہے۔ بعض اوقات کسی بڑے عبوری دور سے گزرتا ہے اور اس دور سے گزرتے ہوئے مذہبی اور فنی لارہی، قدروں کی لارہی پیدا ہوتی ہے۔ لارہی اور اس عبوری دور کا کنٹرول اگر کسی بڑے دانشور، سوچنے سمجھنے والے طبقے کے ہاتھ میں ہے تو عبوری دور، یہ دور ماں بخیر کسی تصادم اور خطرے کے گزرتا ہے مگر جب یہ دور کم عقلوں کے ہاتھ میں ہوگا، تو اس کے نتائج بڑے خوفناک ہوں گے۔ آپ جیسے ابھی ملا دن زمانے میں معاشرے کے اثر و نفوذ کو دیکھیں کہ جیسے صدر صاحب نے فرمایا کہ جس کو آنکھیں بند کرنا ہیں، وہ بند کر لے اور نگرین بہن کو اور روڑ میں لگ جاؤ۔ تو یہ عبوری دور کی ایسی پلیدی کی جارہی ہے۔ یہ اس میں سے سرخرو ہونے کا طریقہ نہیں ہے۔ کم عقل لوگ چاہتے ہیں کہ اس سے عبوری دور گزرے۔ یہ بنیادی طور پر بڑے رنجیدہ انداز میں تبدیلی چاہتے ہیں۔ یہ بڑا ہی غلط بندوبست ہے۔ اس سے کوئی معاشرہ تبدیل نہیں ہوتا۔ بلکہ اس سے فنی لارہی کے کچھ پہلو پیدا ہوتے ہیں۔ شاعر اور ادیب ایک حساس مخلوق ہے جو اس تبدیلی کو محسوس کرتی ہے۔ اب اگر شاعر اور ادیب اس تبدیلی کو پروان نہیں چڑھا رہا۔ یہ بڑی اہم بات آپ کو بتا رہا ہوں کہ اگر ہمارا شاعر اور ادیب اپنے کس کی لارہی اور بحران کو درست نہیں کرنا اور وہ تبدیلی کو تسلیم اور شعور سے پیش نہیں کرنا، تو وہ بیکار ہے مگر بہت سارے شاعر اور ادیب جب اس لارہی کا حصہ ہو جاتے ہیں اور اس تبدیلی کے لپٹے میں پس جاتے ہیں یا اس سے آگے گزر کر اس کا صلہ پیش کرتے ہیں، وہ اسی تنازعے میں آ کر خود بھی ایک مجبور شخص ہو کر رہ جاتے ہیں، تو وہ شعروادب کسی کام نہیں ہوتا۔ پاکستان میں بدقسمتی سے ایسا کوئی ادیب میری نظر میں نہیں ہے جو اس وقت کی مذہبی اور فنی لارہی سے نئے اور اس کے بعد کوئی بہتر قسم کا شعور بخشنے۔ اس لئے شاعر و ادیب اس وقت مجھے تو بیکار ہی لگتے ہیں۔

”ہمارے سیاستدانوں کا وزن بڑا محدود ہے۔ وہ جس مقامی پوزیشن سے نکلتے ہیں، اس سے کبھی باہر نہیں جاتے۔ مثلاً اگر آپ آج بھی کوشش کریں کہ ایک لوکل سیاستدان کو آپ ایک بین الاقوامی سطح پر لے جائیں، تو وہاں اس کے پاس تعلیم ہے نہ اس کے پاس انداز ہے نہ اس کے پاس اقتدار کے کچھ بنیادی اصول ہیں۔“

**سوال:** آج کل ہماری سیاست میں فوج کا عمل دخل ہے اور اس کا کردار بڑا محتاج رہا ہے کیا اس سے ہمیں بحیثیت قوم امتحان ہو رہا ہے یا فائدہ؟

پروفیسر احمد رفیق اختر: شروع سے آپ اگر تاریخ عالم دیکھتے ہیں، تو ملکوں کی حیثیتوں میں یہی جو جنرل ہے اس کا بادشاہ بنتا ہے۔ تو فوج کی کوئی بغاوت اسی طرح ہوتی ہے اور جب وہ بادشاہ بنتا ہے تو اس سے فوج سولائزیشن میں داخل ہو جاتی ہے۔ بدقسمتی سے ہماری فوج کبھی سولائزیشن میں داخل نہیں ہوتی ہے۔ فوج فوج ہی رہتی ہے اس کا مہذب دنیا کے ساتھ تعامل کبھی مضبوط نہیں ہوتا ہے۔ اصولاً وطن اور عقلاً کوئی بھی بادشاہ ڈیکٹر ہو یا سب سے بڑا ڈیکٹر ہو، اس کو سول کے انداز اور طریقے سیکھنے ہوتے ہیں۔ کیونکہ لوگ بہر حال وردی سے خوفزدہ ہوتے ہیں۔ تمام موعی

”پاکستان میں بدقسمتی سے ایسا کوئی ادیب میری نظر میں نہیں ہے جو اس وقت کی مذہبی اور فنی لارہی سے بے خبر اور اس کے بعد کوئی بہتر قسم کا شعور بخشنے۔ اس لئے شاعر و ادیب اس وقت مجھے تو بیکار ہی لگتے ہیں۔“

لوگ جو ہیں، وہ آج کی وردی ہو یا کل کی، ایک لمبے عرصے کو اور لگتا ہوا نہیں دیکھ سکتے۔ تو لازماً بات ہے کہ فوجی جو بھی قابو پاتے ہیں، اس کو جلد سے جلد اپنی خلافت یا اپنی بادشاہت کے دور میں داخل ہونا پڑتا ہے۔ اس کچھ کو سولائزڈ ہونا پڑتا ہے۔ اب پاکستان میں جتنے فوجی غلبے آئے ہیں، وہ سولائزیشن کی حدود میں داخل نہیں ہوئے ہیں، جس کی وجہ سے لوگ ان سے مزید خوفزدہ ہو رہے ہیں اور وہ کوئی اچھا اثر نہیں دے رہے۔ اس کا ایک نتیجہ ایک اور انقلاب ہے یا اس کا نتیجہ اقتدار کی جزوی منتقلی ہے۔ اور چونکہ لگتا ہے کہ اب تو آدی واپسی صدر دنیا چاہتا ہے اور انھوں نے اگر ایسا کرنا ہی ہے، تو پھر انہیں تہذیب کا حصہ بنانا ہوگا۔

**سوال:** کیا ہمارے سیاستدان کریمت ہیں یا ہمارے ملک کے سیاستدانوں کو قوموں کی خدمت کرنے کا موقع عیناً فراہم نہیں کیا گیا ہے؟

پروفیسر احمد رفیق اختر: ہمارے سیاستدانوں کا وزن بڑا محدود ہے۔ وہ جس مقامی پوزیشن سے نکلتے ہیں، اس سے کبھی باہر نہیں جاتے۔ مثلاً اگر آپ آج بھی کوشش کریں کہ ایک لوکل سیاستدان کو آپ ایک بین الاقوامی سطح پر لے جائیں، تو وہاں اس کے پاس تعلیم ہے نہ اس کے پاس انداز ہے نہ اس کے پاس اقتدار کے کچھ بنیادی اصول ہیں۔ اس وقت جو جتنے سیاستدان ہیں، ایک طرف دیکھتا ہوں، تو دنیا کے ذہن ترین، اعلیٰ ترین لوگ ہیں، ان کی سلطنت کے تناظر میں چودھری خواجہ کا وہاں تصور بھی نہیں کر سکتا۔ ان کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے۔ اس طرح جب میں دیکھتا ہوں، تو مجھے جنرل پرویز مشرف بڑے عجیب سے لگتے ہیں۔

دنیاوی سیاست کے پہلو پر ہمارے جو سیاستدان ہیں، ایک تو پڑھے لکھے نہیں ہوتے۔ بنیادی طور پر یہ سکولوں سے بھاگے ہوئے لوگ ہیں، جنہوں نے کبھی کوئی چیز تکمیل نہیں کی۔ دوسرے یہ زمینداری نظام کی پیروی ہیں۔ منصب داری سسٹم کی پیروی ہیں، جو ملک کو بھی منصب داری سسٹم کے تحت چلا رہے ہیں۔ کیونکہ ان کو کسی اور سسٹم کا شعور نہیں ہے۔ یہ ملک کو بھی منصب

داری نظام کے تحت چلانا چاہتے ہیں۔ منصب داری نظام میں بڑے صاحب کو اجازت دینی ہوتی ہے اور سفارش اور رشوت کا تعلق عام ہونا ہے اس لئے میرا خیال ہے اگر بیوروکریسی کی اکیڈمی ہو سکتی ہے تو سیاستدانوں کو بھی کم از کم سیاست کے کچھ اصول سکھانے کے لئے ایک اکیڈمی ہونی چاہیے۔

**سوال:** سر ہم اپنی سیاست کو کس طرح تبدیل، تبدیل ہو اور عوام دوست بنا سکتے ہیں؟ اور کیا اس میدان میں بڑے کلمے لوگوں کی آمد کی ضرورت ہے یا نہیں؟

پروفیسر احمد رفیق اختر: بڑے کلمے لوگ بنیادی طور پر نچلے متوسط طبقے سے تعلق رکھتے ہیں اور اس کلاس کے لوگ زندگی کی تلاش اور رزق کی مصروفیات میں مستقبل سے اتنے خوفزدہ ہیں کہ کوئی رسک ہی نہیں لے سکتے۔ اپنی زندگی گزارنے کے علاوہ کسی قسم کی ہمارے ملک میں قیادت کے رستے اس لئے مکمل بند ہیں کہ کوئی نچلے متوسط طبقے کا لڑکا سیاست کو بحیثیت پیشہ اختیار نہیں کر سکتا۔ صرف کوئی حادثہ سے سیاست میں لے آئے، تو دوسری بات ہے ہمارے یہاں جتنے بہترین عوام دوست بھی پیدا ہوئے ہیں، وہ زمینداروں کے طبقے سے ہیں اور وہ بھی ایسے طبقے سے، جہاں بھوک اور فلاس کا کبھی دورہ نہیں ہوا۔ جہاں آسائش کثرت سے تھیں۔ ایک بات جو مجھے کبھی سمجھ میں نہیں آئی کہ جس شخص نے کبھی فائدہ نہیں کیا یا بھوکا نہیں رہا، وہ بھوکوں کے مسائل کیسے سمجھ سکے گا؟ ان لوگوں کو پتہ ہی نہیں ہے کہ غربت کیا ہوتی ہے، غربت کے مسائل کیا ہوتے ہیں اور جو فریبوں میں سے اٹھتا ہے جو رگڑ خوش قسمتی سے کبھی انکیشن میں آجائے، وہ اپنے طبقے سے فرار حاصل کر رہا ہوتا ہے اور اس غربت کے ماحول میں پلٹنا نہیں چاہتا۔ دونوں طرف یہ بدقسمتی سیاست کو عوام تک نہیں آنے دیتی ہے۔

**سوال:** سر بیک مسر حقیقت ہے کہ انسان کی زندگی نہایت مختصر ہے لیکن اس میں ہمیشہ زندہ رہنے کی تمنا اور ہوس کیوں پیدا ہوتی ہے؟

پروفیسر احمد رفیق اختر: بڑا خوبصورت سوال ہے، جس کے لئے مجھے تھوڑا سا سوچنا پڑے گا۔ مگر میرا خیال یہ ہے کہ مذہب اس کا جواب دیتا ہے مذہب اس کا جواب یہ دیتا ہے کہ آدم کا جب ظہور ہوا اور جب انھوں نے شکل پائی، تو انھوں نے دیکھا کہ میں بڑی لوگوں کے بیچ میں ہوں۔ انھوں نے دیکھا کہ بڑی بڑی لمبی لمبی عمروں کے بیچ میں ہوں۔ خدا لا زوال ہے۔ مگر وہ لا زوال بڑی طویل عمروں کے لوگ ہیں۔ تو ایک بڑی قدرتی خواہش ان میں پیدا ہوئی کہ میری زندگی اتنی ہی ہو، جتنی ان لوگوں کو زندگی ہے، تو بدلتی شعور کی وجہ سے ہے شعور بانی رہنا چاہتا ہے زندہ رہنا چاہتا ہے۔ وہی بات جو میں نے پہلے کی کہ آپ کیسے جانتے ہیں؟ مجھے پتا نہیں نہیں ہے کہ جانوروں میں یہ شعور موجود ہے کہ نہیں۔ کیونکہ میں اس حد کے دماغ سے گزر رہا ہوں۔ مگر ایک بات کا مجھے پتا ہے کہ زندگی اگر شعور سے ماری ہو، تو وہ زندہ رہنا نہیں چاہتا۔ اسے کسی قسم کی زندگی کی خواہش نہیں ہوتی۔ زندگی بذات

”ہمارا یہ جو پورا سلسلہ نکال جاوے جو ہمارے نسلوں کے سلسلے ہیں، یہ بھی ہم سے تقاضہ کرتے ہیں کہ ہم نام چوڑھا چاہتے ہیں۔ نام چھوڑنے کی خواہش بھی

اگلی نسلوں میں اپنے آپ کو زندہ رکھنے کی خواہش ہے تو یہ زندہ رہنے کی خواہش ہیں اپنے ہم نشینوں سے حاصل ہوتی ہے جو بڑی طویل عمروں والے ہیں۔“

خود طوالت قدر ہیں۔ اسی کے اندر انتہائی شعور ہے جاتی رہ جانے کا۔ ہمارا یہ جو پورا سلسلہ نکال جاوے جو ہمارے نسلوں کے سلسلے ہیں، یہ بھی ہم سے تقاضہ کرتے ہیں کہ ہم نام چھوڑنا چاہتے ہیں۔ نام چھوڑنے کی خواہش بھی اگلی نسلوں میں اپنے آپ کو زندہ رکھنے کی خواہش ہے تو یہ زندہ رہنے کی خواہش ہیں اپنے ہم نشینوں سے حاصل ہوتی ہے جو بڑی طویل عمروں والے ہیں۔

**سوال:** سر بہت وقت گزر چکا ہے اور بڑی اچھی گفتگو ہوئی ہے۔ میں پہلے بھی آپ کا شکر یہ ادا کر چکا ہوں۔ تو آخری سوال میں اجازت پاس کا آپ سے پوچھنے کے لئے کہ محبت لگھی کیوں ہوتی ہے اور کیا محبت کرنا، محبت کرنے والے کے بس میں ہوتا ہے یا ایک مکمل بے بسی اور بے اختیار ہی اس کو اپنی گرفت میں لے لیتی

”یہ تصور غلط ہے۔ محبت اندھی بالکل نہیں ہوتی ہے۔ محبت بہت سیانی ہوتی ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ ہم جب کسی کو محبت کرنے والا دیکھتے ہیں، تو ہمارے خیال کے

مطابق باقی لوگ جو اس پر رائے دے رہے ہوتے ہیں، وہ ضرور اندھے ہوتے ہیں۔ ان کو یہ نہیں پتا ہوتا کہ ان کی قدر مشترک کیا ہے، جس کی وجہ سے یہ محبت

پروان جڑھی ہے۔“

ہے اور وہ اس رو میں بہتا چلا جاتا ہے؟

پروفیسر احمد رفیق اختر: یہ تصور غلط ہے۔ محبت لگھی بالکل نہیں ہوتی ہے۔ محبت بہت سیانی ہوتی ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ ہم جب کسی کو محبت کرنے والا دیکھتے ہیں، تو ہمارے خیال کے مطابق باقی لوگ جو اس پر رائے دے رہے ہوتے ہیں، وہ ضرور اندھے ہوتے ہیں۔ ان کو یہ نہیں پتا ہوتا کہ ان کی قدر مشترک کیا ہے، جس کی وجہ سے یہ محبت پروان جڑھی ہے۔ چلیں میں آپ کو ذرا کسی بنوں کی مثال دے دوں۔ بنوں اختیار سے محبت کر رہا ہے اور زمانہ دیکھ چکا ہے وہ آیا ہے اس کو اچانک ایک خوبصورت خاتون نظر آگئی ہے۔ وہ ایک امیر زادہ ہے، جس کے دل میں ایک چیز کو حاصل کرنے کا جنون ہے اور وہ اس جنون کو مکمل کرنا ہے۔ کسی کے حصول میں سادہ ہی اس کی خواہش بن جاتی ہے جنون بن جاتا ہے۔

اب آپ کسی کی نظر سے دیکھیں۔ کسی بہت خوبصورت ہے۔ وہ اپنے آپ کو اس پست سے ماحول میں بیڑہست نہیں کر پا رہی ہے اور پھر اچانک ایک شہزادہ آگلتا ہے۔ جب وہ اس کو تلاش کرتا ہے تو اگر آپ غور کریں، تو طباع کے اختلاف سے تمام محبتیں جنون تک پہنچ گئی ہیں۔ یہی سہمی ہو جنون کا حال ہے۔ یہی تیس و لیلیٰ کا حال ہے۔ یعنی جب ایک شخص کی انتہائی شدید خواہش ایک ہیٹرن آف لائف سے نکل کر دوسرے ہیٹرن آف لائف تک جاتی ہے تو یہ محبت کو جنون بنا دیتی ہے۔ جو محبتیں ہمارے پاس مثال کے طور پر موجود ہیں، ان کے ڈیٹا لگ لگتے منتقل نہیں ہوئے۔ مگر پروان سے نظر آتا ہے کہ ایک پست درجے کی عیسائی نوجوان ایک بڑے طبقے کی محبت کو زیادہ دلچسپ کر دیتا ہے۔ جیسے فرہاد شیریں کی محبت کو پتا تیار کر دیتا ہے۔ پھر سوال یہ ہے کہ ان کو کوئی اور چوائس نہیں ہوتی۔ میں کل ہی بات کر رہا تھا کہ ہمارے یہاں محبت اس لئے زیادہ کامیاب ہے کہ اس میں ہمیں اختیار یا چوائس نہیں ہوتی۔

ہم اتنے اندر سے گئے گزرے ہوئے ہیں۔ اتنے بھراؤوں کے، کمتری کے شکار ہوئے ہیں کہ جو پہلا چالیں ہمیں ملتا ہے اسے ہم اڈھٹ کر لیتے ہیں۔ ہم اس کو بڑی شدت سے پکڑ لیتے ہیں۔

پھر اس کی کیفیت شاید محبت کی بنیاد ہے کہ جب آپ کسی سے اس محسوس کریں۔ اور اس انسانیت کی بھی بنیاد ہے۔ جب انسان دوسرے انسان کے لئے زیادہ خلوص محسوس کرنا ہے یا کسی کی کمپنی میں شاید ہونا ہے یا کسی کے قریب تر رہنے کی کوشش کرنا ہے تو یہ تمام تر صفاتی ہے۔ اس میں فزیکل عنصر بہت کم آتا ہے اور جسمانی والی جو اس ہوتی ہے اس کو دوت کہتے ہیں اور جو صفاتی چیز ہے اس کو محبت کہتے ہیں۔ تو محبت کا اگر تجربہ کیا جائے، تو سوائے خدا کے جس میں اس قسم کے عناصر نہیں ہوتے ہیں۔ مگر بہت سے لوگ جو میرے پاس خدا کی محبت کا دعویٰ لے کر آتے ہیں، اس کے پس منظر میں یا تو مالی ضرورت نکل آتی ہے یا کسی عورت کی خواہش نکل آتی ہے۔ جب اس کو واضح کرتے ہیں تو پتا چلتا ہے کہ یہ آدمی خدا کو نہیں، بلکہ ان چیزوں کو چاہ رہا ہوتا ہے۔ تو محبت کے جائزے کے بعد بھی آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ اندھی ہے۔ اگر آپ دونوں شخصیات کا درست طور پر تجربہ کریں۔ ان کے احساسات، ان کی نفسیات کو دیکھیں کہ کس چیز کو محبت تسکین دیتی ہے تو محبت اس چیز کا بہت بڑی ازالہ کرنے والی چیز ہے۔

=====